عہدِ جاہلی کے چند ادبی خطبات کے فن پاروں کا تحلیلی جائزہ

Samples of some literary addresses of illiteracy era; an analytical study

ڈاکٹر شمس الحسین ظہیر*

ڈاکٹر بادشاہ رحمٰن الازہری**

Abstract:

The Arab castes' life in pre-Islamic era is totally depended in oral quarrels whether on poet or on addresser. The status of an addresser was not less than a poet. That is, why they celebrated a festival for the birth of a new addresser amongst them. Thus he was honored with title of "echo of the cast". But the question is that: "What kind of addresses they delivered?" is to be analytically answered. To introduce for an Urdu literary in a comparative study of literatures, this articles discusses the structure of some selected addresses, the themes, its features and the relevancy to the event. It also describes the famous addressers of illiteracy era.

Keywords: *Arabs, illiteracy era, selected addresses, structure, features*

عربی ادب کو تعریفی جغرافیائی اعتبار سے مختلف حدود وقیود کا لحاظ کر کے ماپا جاتا ہے کبھی اس کو اتنی وسعت دی جاتی ہے کہ سارے علوم وفنون کو سمیٹ کر اس میں جمع کر دیا جاتا ہے، اور کبھی اس کے دامن کو تنگ کر کے صرف نظم و نثر کی ایک مخصوص قسم کے اندر سمٹا دیا جاتا ہے۔ تاریخِ ادب کے ابتدائی مرحلوں میں ادب سے مراد وہ علوم لیے جاتے ہیں جن سے تہذیب ادم کو جانچنے کا کام لیا جائے اور جس کے نتیجے میں آدمی کے اندر اچھے اخلاق، بلند کردار، بے داغ سیرت اور معاملہ وبرتاؤ میں صفائی و ستھرائی پیدا ہو۔ مگر جب عربی معاشرہ میں وسعت اور عربی فکر و نظر میں جلا اور گہرائی پیدا ہونے لگی تو ادب کے مذکورہ دائرے میں بھی توسیع کی گئی اور ادب میں علوم دینیہ، مثلاً قرآن وحدیث اور اس کی شرح و تفسیر کے علاوہ وہ

* اسسٹنٹ پروفیسر، مرکز عربیہ ودراساتِ اسلامیہ، ویمن یونیوسٹی، صوابی

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ علومِ اسلامیہ، جامعہ ملاکنڈ، ملاکنڈ

سارے علوم شامل کیئے جانے لگے جو معلم اپنے شاگردوں کو سکھاتا تھا خواہ وہ قصے کہانیاں ہوں، شعر وشاعری، تاریخی واقعات ہوں یا انساب وغیرہ۔

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

> '' اے رسول اللہ ! آپ عربوں میں پلے بڑھے ہیں اور اُن کے فصحاء کو سنا ہے لیکن میں نے آپ سے زیادہ فصیح انسان نہیں دیکھا۔'' تو آپ ﷺ نے کہا کہ '' مجھے میرے رب نے تعلیم دی ہے ، پھر میں نے قبیلہ بنو سعد میں پرورش پائی ہے۔''[1] اگر یہ حدیث بطورِ شاہد قابلِ احتجاج ہو تو یہاں پر ''اَدّبنی'' کے لفظ کا معنٰی ادب یا تہذیب سکھانے کے ہیں، کیونکہ خود قرآن کا فیصلہ ہے کہ ''اِنّک لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیمٌ''[2] ''یعنی آپ بڑے بلند اخلاق کے مالک ہیں۔'' یہاں ادّبنی سے مراد علّمنی ہے یعنی مجھے تعلیم دی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تادیب بمعنی تعلیم کے ہیں چنانچہ مؤدب بمعنی معلم بولا جاتا تھا۔ اور عہد اموی میں بھی ممتاز اساتذہ کی جماعت کو'' مؤدبین'' کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ اس زمانے کے دستور کے مطابق نظم ونثر اور اخبار ووقائع کی تعلیم روایت کے طریقے سے دیتے تھے۔[3]

ادب کا مذکورہ بالا مفہوم پہلی صدی ہجری تک قائم رہا۔ بعد میں جب اسلامی معاشرے میں اور وسعت پیدا ہوئی مختلف قوموں کے اس میں داخل ہونے سے علم وفن میں ترقی کے ساتھ انہیں مختلف شاخوں میں متعین اصطلاحوں کے ساتھ تقسیم کیا جانے لگا، تو اس کے علاوہ زبان سے متعلق علوم بھی علیحدہ تقسیم کیئے گئے۔ تمام مروجہ فنون میں سے تھوڑے حصے کو بقدر ضرورت استعمال کرنے کو ادب کہتے ہیں۔[4]

جاحظ[5] نے ان تمام مروجہ علوم وفنون میں سے تھوڑے سے اور بقدر ضرورت کی قید لگا کر ادب اور ان علوم کے فرق کو واضح کر دیا ہے۔ اور اس طرح سے کہ اگر آپ ان علوم وفنون پر تفصیل اور پوری شرح وبسط کے ساتھ بحث کرنے لگیں گے تو ظاہر ہے کہ یہ بحث یا تحریر اس فن کا حصہ ہو جائے گی اور اس میں مجرد حقائق کا بیان آجائے گا۔

ا۔ عربی ادب کی مختلف ادوار میں تقسیم:

عربی ادب کی تاریخ مختلف مراحل اور زمانے کے نشیب و فراز سے گزر کر موجودہ صورت کو پہنچی ہے۔ جس کی بدولت ادب کو ترقی، استحکام اور دوام حاصل ہونے میں اِسے ہمیشہ مدِ نظر رکھا گیا۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی پوری تاریخ کو ان مراحل اور ادوار میں تقسیم کر دیا جائے جن سے گزرتے ہوئے اس نے اپنی موجودہ شکل اختیار کی ہے تاکہ بحث و تمحیص میں آسانی ہو اور نتائج کے اخذ کرنے میں اسباب و علل کے تانے بانے مخلوط ہو جانے کی وجہ سے غلطی نہ ہونے پائے۔

عربی ادب کے پانچ ادوار:

1. **زمانہ جاہلیت:** جو پانچویں صدی عیسوی کے نصف سے شروع ہو کر ظہورِ اسلام (۶۲۲م) پر ختم ہوتا ہے۔
2. **اسلامی زمانہ:** جو ہجرت مدینہ (۶۲۲م) سے شروع ہو کر عباسی سلطنت (۱۳۲ہجری) کے قیام تک ہے۔
3. **عباسی زمانہ:** جو عباسی سلطنت (۱۳۲ہجری) کے قیام سے شروع ہو کر ہے تاتاریوں کے قبضۂ بغداد (۶۵۶ہجری) تک ہے۔
4. **زمانۂ انحطاط:** جو سقوطِ بغداد (۶۵۶ہجری) سے شروع ہو کر عصرِ جدید (۱۲۲۰ہجری) کے اُٹھان تک ہے۔
5. **عصرِ حاضر:** جو محمد علی کے مصر پر تخت نشینی سے اب تک ہے۔

ان ادوار میں ہمارا یہ تحقیقی مقالہ عہد جاہلیت سے متعلق ہے۔

۲: عہدِ جاہلیت میں خطابت یا فنِ تقریر:

تقریر یا خطابت فنی نثر کی بہترین قسموں میں شمار ہوتی ہیں۔ یہ نثر کی اس قسم کو کہتے ہیں جس میں کوئی ممتاز شخص، کسی ملکی، قومی، سماجی مسئلہ یا زندگی کے کسی اہم پہلو پر کسی مجمع میں اپنے نقطہ نظر کی وضاحت اس غرض سے کرے کہ وہ مجمع کو متاثر کر کے اپنا ہم خیال بنالے۔[6]

چونکہ تقریر یا خطابت کا اصل مقصد یہ ہے کہ مقرر یا خطیب کسی مسئلہ یا موضوع پر مجمع کو اپنا ہم خیال بنائے۔ اس لئے اسے ایسا طرز بیان اختیار کرنے کی ضرورت پڑتی ہے کہ جس سے مجمع کے افراد اپنے خیالات و نظریات کو مقرّر کے خیالات و نظریات کے مقابلے میں چھوڑ دیں، اور مقرر کے ہم خیال اور ہم رائے ہو جائیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مقرر میں مندرجہ ذیل دو شرطیں پائی جائیں۔

۱۔ سننے والوں کو اپنے انداز خطابت اور قوت استدلال کے ذریعہ مطمئن کر کے اپنا ہم رائے بنانے کی صلاحیت کا ہونا۔

۲۔ سننے والوں کو اس بات پر آمادہ کر لینا کہ جو کچھ وہ کہتا ہے تو سامعین اسے مان لیں اور جو اِن سے کرانا چاہتا ہے لوگ اسے کرنے لگیں۔ اس طرح سے مقرر کے اندر اِن دو صفات کا ہونا ضروری ہے۔ ایک مطمئن کرنے کی صلاحیت اور دوسری سننے والوں کو اپنی طرف کھینچنے کی قدرت۔ مقرر میں جب یہ دونوں شرطیں اور صفات پیدا ہو جائیں تو یہ طرزِ کلام نثری اَدب کا ایک فن بن جائے گا۔ جسے فنِ خطابت کہتے ہیں۔

۳: خطابت میں مزید نکھار پیدا کرنے کے اوصاف:

فنِ خطابت کی مذکورہ تعریف سے اس کی غرض و غایت بھی واضح ہوتی لیکن ساتھ ساتھ اسے سننے والوں کی عقلی وذہنی سطح و کیفیت سے پوری طرح واقفیت بھی حاصل ہونا چاہیے۔ پھر جس موضوع پر بول رہا ہے اس میں اسے مہارت اُمہ حاصل ہو۔ اور زبان پر ایسی قدرت ہو کہ جب بولنا شروع کرے تو اپنی قوت بیان کی جاذبیت، الفاظ کے زیر و بام و خوبصورتی، قوتِ استدلال کے اَچھوتے پن اور ندرت سے سامعین کے دل و دماغ پر چھا جائے۔ کہ وہ پوری طرح مطمئن ہو کر سب سامعین وہ کہنے لگیں جسے مقرر اُن سے کہلوانا چاہتا ہے۔[7]

۴: زمانہ جاہلیت میں خطبات کے محرکات، خاص اغراض اور ڈھنگ:

زمانہ جاہلیت کے نثری ادب کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ خطابت کو اس میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کوئی نثر اگر صحیح معنوں میں

فنی نثر کی حیثیت رکھتی تھی تو وہ صرف خطابت ہے۔اس زمانے میں فن خطابت کے بہت سے ماہرین پیدا ہوئے۔ جنہوں نے اس صنف میں ایسی دسترس، نادر الکلامی اور طاقت لسانی کا ثبوت دیا جس کی مثال مشکل سے ملتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب قوم ان پڑھ تھی۔ لکھنے پڑھنے کا عام رواج نہ ہونے کی وجہ سے اپنی بات کہنے کا ذریعہ صرف ان کی اپنی زبان تھی اور زبان بھی ایسی کہ جس کے متعلق اس کا خیال تھا کہ یہ دنیا کی واحد زبان ہے جس میں سامع نوازی اور دلکشی وسعت و گہرائی اور حسن وہ رعنائی کا وہ جوہر موجود ہے جو کسی اور زبان میں نہیں ملتا۔یہی نہیں بلکہ ان کا خیال تھا کہ دِل کے لطیف محسوسات کو صحیح طریقے سے بیان کرنے کا سلیقہ صرف ان کی اپنی زبان میں ہی ہے۔اور یہ تو عام بات ہے کہ عرب اپنے آپ کو دُنیا کی وہ تنہا قوم سمجھتے ہیں جو بول سکتی ہے۔اس لئے یہ قوم اپنے آپ کو عربی یعنی اپنے دِل کی بات زبان کے ذریعہ کہنے والی اور دوسری قوم کو عجمی یا گونگی کہتی تھی۔اپنی زبان کے متعلق یہ زعم اس بات کا بہت بڑا محرک تھا کہ اس کے ذریعہ اپنی گفتار و تعبیر کے جوہر دکھائے جائیں۔[8]

عرب ایک منتشر قوم تھی اور مختلف علاقوں میں قبیلوں کی صورت میں پھیلی رہتی تھی جن کی آپس میں نفرت وعداوت اور قتل وغارت گری کی فضا قائم رہتی تھی۔ایسی صورت میں اگر ان کو ایک دوسرے سے کوئی بات کہنی ہوتی، تو انہیں کسی مقررہ جگہ پر جمع کرنا دستور تھا۔ پھر رسل ورسائل اور پیغام رسائی کے طریقے اور ذریعے بھی اگر ناپید نہیں تو اس حد تک دشوار ضرور تھے کہ ان کے ذریعے اوروں تک پہنچنا آسان نہ تھا۔اس لئے اگر کوئی مسئلہ کھڑا ہو جاتا تو کسی قاصد کی ضرورت ہوتی جو زبان کا ماہر ہو۔ قوتِ بیان اور قوتِ استدلال میں کار آزمودہ ہو۔اس کے علاوہ جھگڑا اور لڑائی کی معمولی سی بات پر لڑ مرنے کی وجہ سے بھی ان عربوں کو ایسے شعلہ بیان، قادرالکلام اور چرب زبان اشخاص کی ضرورت رہتی تھی جو اپنے قبیلہ کے موقف کی وضاحت اس انداز سے کر سکیں کہ اس پر ظلم وزیادتی کا الزام عائد نہ ہو سکے یا اگر کسی سے انتقام یا دیت (جان کے بدلے مال لینا) لینی ہوتی تو اس مقصد کے لئے

سارے قبیلے کو اپنی جادو بیانی اور قادر الکلامی سے ابھار سکے۔ان محرکات اور سماجی ضروریات کی بناء پر جاہلی زمانہ میں خطابت کو بڑی ترقی ہوئی اس لئے زمانہ جاہلیت میں خطیب اور شاعری کی بڑی قدرو منزلت تھی کہ دونوں قبیلہ کے زبان تھے اور اس کی عزت و آبرو کے پاسبان اور ان کی طرف سے زبان کے ذریعے لڑنے والے نڈر اور بہادر۔[9]

۵: خطبہ دینے کا انداز:

عام طور پر عرب کسی بلند جگہ یا اپنی سواری پر کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر تقریر کرتے تا کہ آواز دور تک جاسکے اور لوگوں کو اپنی شخصیت اور تقریر کے دوران اعضاء و جوارح کے اشاروں سے متاثر کر سکیں۔ہاتھ میں چھڑی، نیزہ، سونٹا یا کمان رکھتے تھے۔ جس سے ٹیک لگانے یا حسبِ ضرورت اشارے کرتے تھے۔ مقرر کے لئے ضروری تھا کہ اس کی آواز گونجدار، انداز بیان دلکش و موثر، استدلال قوی، طاقت گویائی بے پایاں اور شخصیت پُرکشش، پُر رعب اور پُر وقار ہو۔[10]

٦: زمانۂ جاہلیت کی خطابت کے نثری نمونے اور خطیب:

یوں تو عرب میں بہت سے ممتاز اور نامور مقرر ہو گزرے ہیں لیکن ان میں سے اکثر کے پورے حالات اور کمالات کا ہمیں علم نہیں۔ پھر بھی قدیم ترین خطباء میں کعب بن لوئ جو رسول اللہ ﷺ کے آباواجداد میں سے تھے۔اور حُرثان فن حارث جو ذوالاصع العدوانی کے لقب سے مشہور ہیں، بہت نامور شخصیت ہو گزرے ہیں۔بعد کے مقررین میں سے جن کو اپنی فصاحت و بلاغت میں شہرتِ تامہ حاصل تھی قیس بن خارجہ بن سنان ہے۔ جو جنگ ِ داحس و غبراء کا مشہور مقرر گزرا ہے۔خویلد بن عمرو الغطفانی جس نے حربِ فجار کے موقع پر امتیاز حاصل کیا تھا۔ قیس بن ساعدہ الایادی، بازار عکاظ کا مشہور مقرر، اکثم بن صیفی اور عمرو بن معد یکرب الزبیدی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ہم مذکورہ بالا خطباء میں صرف مندرجہ ذیل تین کے حالات زندگی، اسلوبِ بیان، خطبات اور اس فن میں ان کے رتبہ کا ذکر کریں گے۔

1: قس بن ساعدہ الایادی:

قس بن ساعدہ قبیلہ ایاد کا نامور خطیب اور نجران کا پادری تھا۔ اسے صرف دور جاہلی ہی کا مایہ ناز اور شہرت یافتہ مقرر نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ بعض رواۃ کے مطابق وہ پورے عرب میں سب سے ممتاز، قادر الکلام، شعلہ بیان اور سحر طراز گزرا ہے۔ فصاحت و بلاغت اور زبان پر پوری قدرت رکھنے کی وجہ سے اس کی مثال دی جاتی تھی۔ کہتے ہیں کہ اس دور جہالت میں یہ پہلا شخص تھا جس نے نعرہ توحید بلند کیا اور مرنے کے بعد پھر اُٹھائے جانے اور عقیدہء حساب و کتاب کا چرچا کیا۔ عربوں کو بت پرستی کو چھوڑ کر صرف ایک خالق کے سامنے سر اطاعت خم کرنے کی دعوت دی اور عام جلسوں، میلوں ٹھیلوں اور جشنوں کے موقع پر لوگوں کو عبرت و موعظت کے قصے اور حکمت و فلسفہ کی باتیں سنا کر ایمان و عمل اور حسن اخلاق کی طرف مائل کرتا اور جزا و سزا کا فلسفہ سمجھا کر انہیں گھٹاٹوپ اندھیرے میں صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا تھا۔ لوگ اسکی نیک دلی و دانشمندی، معاملہ فہمی اور بے لوثی سے اس قدر متاثر ہوئے ہے کہ اپنے پیچیدہ معاملات میں اس سے مشورہ لیتے اور اپنے مقدمات اس کے سامنے فیصلہ کرنے کے لئے پیش کرتے۔ اور اس کا فیصلہ سر آنکھوں سے تسلیم کرتے۔ قس بن ساعدہ ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے مقدمات میں یہ اصول نکالا کہ مدعی کے لئے جرم کا ثبوت پیش کرنا ضروری ہے اور جو جرم سے انکار کردے اس پر قسم اُٹھانا لازم ہے۔ آجکل جمعہ کے خطبوں میں خاص طور پر اور عربی تقریروں میں عام طور پر حمد و ثناء کے بعد اما بعد کہنے کا جو رواج ہے دراصل اسے سب سے پہلے قس نے ہی کہا تھا۔ یہ جملہ اس قدر پسند کیا گیا کہ اس وقت سے لے کر آج تک ہر تقریر کا جزو بن گیا اور مستقل استعمال ہو رہا ہے۔[11]

جاحظ نے کہا ہے کہ قبیلہ نہاد اور تمیم کے لوگوں کو تقریر میں ایسی امتیازی شان حاصل تھی جو کسی اور کو حاصل نہ تھی اور خاص طور سے قس کو اس فن میں جو مہارت اور دسترس حاصل تھی اس کے کمال فن کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ عرب کے فصحاء وبلغاء نے عکاظ کے میلے میں قس کے مٹیالے رنگ کے اونٹ پر بیٹھ کر تقریر کرنے کا نقشہ کھینچا ہے۔ادبائے عرب اس کے بولنے کے دلکش انداز سے بھی اتنے متاثر ہوئے تھے کہ دل کھول کر اس کی داد دیتے تھے اور جو کچھ کہتا تھا اس کی تصدیق بھی فرماتے تھے کہ قس کو زبان پر یہ قدرت اور اثر اس لئے حاصل ہوا ہے کہ وہ توحید کی دعوت دیتا تھا اور قیامت اور جزاو سزا کے معنی بیان کرتا تھا اس کے ساتھ ساتھ خلوص و نیک نیتی پر لوگوں کو اُبھارتا تھا۔[12]

قس بن ساعدہ قیصر روم کے پاس اکثر آجایا کرتا تھا۔ قیصر روم اس کے علم و فضل اور حکمت و فلسفہ سے بہت متاثر تھا۔ایک دن قیصر نے اس سے کہا کہ سب سے بہترین عقلمندی کیا ہے ؟قس نے کہا آدمی کا اپنے علم کی حد پر ٹھہر جانا۔ اس سے پھر پوچھا کہ مروت یعنی انسانی شرافت کا بہترین نمونہ کیا ہے ؟ قس نے کہا: آدمی کا اپنا بھرم قائم رکھنا۔ پھر قیصر نے پوچھا، بہترین مال کیا ہے ؟ قس نے جواب دیا۔ وہ دولت جس سے حقوق ادا کئے جائیں۔[13]

آخر عمر میں قس نے بالکل ترک دنیا کر دی تھی۔ عبادت وریاضت میں روکھی پھیکی کھا کر زندگی گزارتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے بڑی عمر پائی تھی۔ 600ء میں بعثت نبوت سے پہلے ہی انتقال کر گیا۔

- **قس کے خطبات کے امتیازی خصوصیات:**

قیس بن ساعدہ الایادی نے جہاں پند و نصیحت کرنے میں اچھوتا اور بہت ہی دلکش اور موثر انداز ایجاد کیا ہے۔ وہاں اس نے فن خطابت میں بعض ایسی یادگاریں چھوڑی ہیں جو آج تک رائج رہی ہیں۔ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ اس نے سب سے پہلے'' **اما بعد**'' کہنے کی ایجاد کی تھی جو آج تک جمعہ کے خطبوں میں خاص طور پر اور دوسری تقریروں میں عام طور سے

استعمال کیا جاتا ہے۔اس کے علاوہ وہ پہلا شخص ہے جس نے تقریر کے دوران چھڑی یا تلوار پر سہارا لینے کی ریت نکالی۔ یہ ریت اس قدر مقبول ہوئی کہ آج تک عرب ملکوں میں خاص طور پر مسجدوں میں خطبہ دیتے وقت ائمہ صاحبان عصا کا سہارا لے کر کھڑے ہوتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ اس نے موزوں طبیعت بھی پائی تھی۔اور اچھے خاصے شعر کہتا تھا جس میں بڑا اثر، درد اور سوز ہے۔اس کی طرف منسوب ہے کہ اس نے اپنے دو بھائیوں کے مرنے کے بعد ان کی قبر پر جو دیرِ سمعان میں تھی کھڑے ہو کر کہا تھا۔ یہ مرثیہ واقعی بہت پُر اثر اور دالخراش ہے۔ جس میں اس نے کہا کہ :

يا أيها الناس، اجتمعوا واسمعوا وعوا، من عاش مات، ومن مات فات، وكلّ ما هو آت آت؛ ثم قال، أَما بعد، فإن في السماء لخبرا، وإن في الأرض لعبرا، نجوم تغور، وبحار تمور ولا تغور، وسقف مرفوع، ومهاد موضوع، أقسم قسّ قسما بالله وما أَثم، لتطلبنّ من الأمر شحطا، ولئن كان بعض الأمر رضى إن الله في بعضه سخطا، وما بهذا لعبا، وإن من وراء هذا عجبا، أقسم قسّ قسما بالله وما أَثم، إن الله دينا هو أَرضى من دين نحن عليه، ما بال الناس يذهبون فلا يرجعون، أَنعموا فأقاموا، أو تركوا فناموا- [14]

ترجمہ: اے لوگو! گوش وجوش سے سنو اور یاد رکھو کہ جو زندہ ہے اسے ایک دن مرنا ہے اور پھر جو مر گیا وہ ہمیشہ کے لئے چلا گیا۔ جو چیز آنی والی ہے وہ آکر رہے گی۔ ایک گھٹا ٹوپ اندھیری رات ہے۔اور ایک پر سکوں انمٹ دن۔ایک مختلف برجوں والا آسمان ہے۔اس میں چمکتے دمکتے ستارے ایک طرف ٹاٹیں مارتے سمندر کی طرح ہے۔اور دوسری طرف ٹھوس اور مضبوطی کے ساتھ جمے ہوئے پہاڑ اور حدِ نگاہ تک پھیلی ہوئی زمین اور بہتے ہوئے دریا۔ آسمان اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ کوئی بڑی ہستی خالق ہے اور زمین میں عبرتیں پوشیدہ ہیں۔ یہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ جاتے ہیں تو واپس نہیں

آتے۔ کیا انہوں نے وہ جگہ ایسی پائی ہے کہ وہیں کے ہو کر رہ گئے یا ان کو وہاں چھوڑ دیا گیا تو ہمیشہ کے لئے وہیں سو گئے ؟

کہتے کہ ایک دفعہ قس بن ساعدۃ نے اپنے قبیلہ کے سامنے ایک مختصر لیکن بڑی مؤثر اور عبرت و وعظ بھری تقریر کی۔ جس میں گزشتہ زمانے کے مشہور اور طاقتور قوم اور بادشاہوں کے عبرتناک انجام کی طرف توجہ دلائی اور بتایا کہ اُن کا بد ترین انجام ہوا جن کا اب نام و نشان بھی نہیں ملتا۔اس کے بعد اپنے کہے یہ اشعار پڑھے جو یہ ہیں :

في الذَّاهبين الأوَّلين من القرون لنا بصائر

لما رأيت مواردا للموت، ليس لها مصادر

ورأيت قومي نحوها يمضي الأصاغر والأكابر

لا يرجع الماضي ولاينجو من الباقين غابر

أيقنت أنِّي لا محالة حيث صار القوم صائر[15]

ترجمہ : گزشتہ بھولی بسری صدیوں یعنی زمانوں میں ہمارے لئے آنکھیں کھولنے والی بات پوشیدہ ہے جس میں موت کی طرف جانے کا راستہ تو ہے لیکن واپس آنے کا کوئی راستہ نہیں۔ میری قوم کا ہر چھوٹے بڑے نے اس کی طرف ضرور جانا ہے اور جو کوئی یہاں سے چلا جاتا ہے وہ لوٹ کر واپس نہیں آتا۔اور جو رہ گئے ان کو دوام حاصل نہیں۔ تو میں نے یقین کر لیا کہ میرا بھی ضرور وہی انجام ہو گا جو اِن سب کا ہوا یعنی مر کر یہاں سے چلے جانا ہے۔

قس کے خطبہ کا تحلیلی جائزہ:

جہاں تک اسلوب بیان کا تعلق ہے تو قس کا انداز بیان شستہ اور شگفتہ تھا۔الفاظ بڑے شیریں اور منتخب ہوتے تھے۔ ترکیب بڑی دل آویز اور موثر ہوتی تھی۔ چھوٹے چھوٹے ہلکے ہلکے

لیکن انتہائی گھٹے اور نپے تلے اور بسا اُوقات خوبصورت مسجع جملے کہتا ہے۔ اور بیچ بیچ میں ضرب الامثال اور کہاوتوں کا بھی استعمال بکثرت کرتا تھا۔ گزشتہ زمانے کے ظالم، جابر اور سرکش لوگوں کی کہانیاں اور ان کے انجام کی داستاں سنا کر لوگوں کو متاثر کرنا۔ اور غیرت دلاتا تھا۔ دُو راز کار اور مبالغہ آمیز باتوں سے ہمیشہ پرہیز کرتا تھا۔ اس لئے اس کی تقریر میں جادو کا سا اثر ہوتا اور حاضرین سر دھننے لگتے۔

2: اکثم بن صیفی اُسیدی:

اکثم بن صیفی دور جاہلیت میں زور بیان، قوت خطابت اور عقل و حکمت کے علاوہ نسب دانی، ضرب الامثال اور اصابت رائے وقوتِ استدلال میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔ اُس جیسا قادرالکلام مقرر اور صحیح فیصلہ کرنے والا، معززِ قوم بمشکل ملتا ہے اس کی دور بینی، معاملہ فہمی اور قوتِ فیصلہ چار دانگ عالم میں شہرت رکھتی ہے۔ اس کے حکیمانہ مقولے اور پند و نصیحت کے جملے سارے عربوں کی زبان زدِ عام تھے۔

اُس کی انہی صفات کی وجہ سے نعمان بن منذر نے کسرٰی نوشیرواں کے پاس عربوں کی فضیلت اور برتری ثابت کرنے کے لئے جس وفد کو بھیجا تھا اُن کا سردار اسی کو منتخب کیا تھا۔ حالانکہ اس جماعت میں اس زمانہ کے ممتاز ترین مقررین جیسے عمر بن معدی کرب، حاطب بن زراۃ تمیمی وغیرہ شامل تھے۔ چنانچہ اس نے ہی سب سے پہلے کسرٰی کے دربار میں تقریر کی۔ تقریر کے بعد کسرٰی نے جو سوالات کئے، کسرٰی اس کے جوابات سُن کر بہت خوش اور متاثر ہوا۔ اکثم نے بڑی لمبی عمر پائی۔

رسول اللہ ﷺ جب مبعوث ہوئے تو اس نے اپنی قوم کو جمع کیا اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کی تلقین کی۔ لیکن خود اُس کے اسلام لانے کے بارے میں مختلف روایتیں بیان کی جاتی ہیں ۔ ایک روایت یہ ہے کہ جب انہیں رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے کی خبر ملی تو انہوں نے خود آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ لیکن ان کی قوم نے ان کو روک دیا۔ تو

انہوں نے اپنی قوم میں سے دو آدمیوں کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ وہ دونوں آپ ﷺ کی باتیں سن کر آئے اور اکثم کو بیان کیا۔ سن کر دل کو ٹھنڈک پہنچی۔ چنانچہ اُن کا اُونٹ لایا گیا اور وہ رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے ارادے سے نکل پڑے۔ مگر راستہ میں ان کا انتقال ہو گیا۔[16]

- **اکثم کے خطبات کے امتیازی خصوصیات:**

اس نے کسریٰ کے دربار میں نعمان کی ایماء پر جو تقریر کی تھی وہ اس کے اسلوب بیان اور انداز خطابت کا مثالی نمونہ ہے۔ جس میں اس نے کہا تھا کہ:

إن أفضل الأشياء أعاليها، وأعلى الرجال ملوكها، وأفضل الملوك أعمّها نفعا، وخير الأزمنة أخصبها، وأفضل الخطباء أصدقها. الصدق منجاة، والكذب مهواة، والشرّ لجاجة، والحزم مركب صعب، والعجز مركب وطيء. آفة الرأي الهوى، والعجز مفتاح الفقر، وخير الأمور الصبر. حسن الظن ورطة، وسوء الظن عصمة. إصلاح فساد الرعية خير من إصلاح فساد الراعي. من فسدت بطانته كان كالغاصّ بالماء. شر البلاد بلاد لا أمير بها. شر الملوك من خافه البريء. المرء يعجز لا المحالة. أفضل الأولاد البررة. وخير الأعوان من لم يراء «1» بالنصيحة. أحقّ الجنود بالنصر من حسنت سريرته. يكفيك من الزاد ما بلّغك المحلّ. حسبك من شرّ سماعة. الصمت حكم وقليل فاعله. البلاغة الإيجاز. من شّدد نفر، ومن تراخى تألف.[17]

ترجمہ: دنیا کی چیزوں میں سے سب سے بہتر اور افضل وہ ہے جو سب سے اعلیٰ ہو اور لوگوں میں سب سے اونچے اور ارفع ان کے بادشاہ ہیں۔ اور بادشاہوں میں سب سے بہتر وہ ہیں جن کے ذریعہ نفع عام ہو۔ اور زمانوں میں سب سے بہتر خوشحالی اور ہریالی کا زمانہ ہے۔ اور مقررین میں سب سے بہتر حق گو ہے، سچائی نجات کا ذریعہ ہے اور جھوٹ تباہی کا گڑھا ہے۔ برائی کی جڑ اس میں پڑی رہتی ہے، عقلمندی اور دانشمندی کی راہ

بڑی کٹھن راہ ہے۔اور عاجزی وانکساری کی راہ بڑی آسان ہے۔خود رائی کے روگ کی بنیاد خواہشات نفسانی ہے۔اور کچھ نہ کر سکنا بے علمی یعنی غریبی کی کنجی ہے۔سب سے اچھی بات صبر کرنا ہے۔اور اپنے سے حسن ظن میں ہلاکت ہے۔اور سوء ظن میں حفاظت ہے۔

آگے کہتے ہیں:

رعایا کی خرابی کی اصلاح کرنا بادشاہ کی اصلاح کرنے سے بہتر ہے، جس کے خاص دوست اور ہم راز بُرے ہوں تو اس کی مثال اس آدمی کی سی ہے جسے پانی سے پھندا الگ گیا ہو، بدترین ملک وہ ہے جہاں کوئی بادشاہ نہ ہو۔اور بدترین بادشاہ وہ ہے جس سے بے گناہ لوگ ڈریں۔تدبیر نہیں ہارتی۔ بہترین فوجوں میں فتح کی سب سے زیادہ مستحق وہ فوج ہوتی ہے جس کے اخلاق وعادات پاکیزہ ہوں۔تمہارے لئے زادراہ اتنا ہی کافی ہے جس سے منزل مقصود تک پہنچ سکو۔ برائی کا صرف سن لینا ہی کافی ہے۔خاموشی عقلمندی ہے۔لیکن اسے اپنانے والے بہت کم ہیں۔درحقیقت کسی کو حقیر سمجھنے کا نام ہلاکت ہے اس سے لوگوں کو نفرت ہوتی ہے اور جو سہل نگاری سے کام لیتا ہے لوگوں کو اس سے الفت ومحبت ہو جاتی ہے۔

اکثم بن صیفی کے خطبہ کا تحلیلی جائزہ:

اکثم بن صیفی کے مندرجہ خطبے کو بغور پڑھنے سے چند نقات سامنے آجاتے ہیں کہ وہ اپنی تقریروں میں مجاز وکنایہ کم استعمال کرتا ہے۔اس کو مختصر اور چھوٹے جملوں کے کہنے میں کمال حاصل تھا۔اس کی تقریروں میں الفاظ بہت خوبصورت اور سبک و معانی بہت گہرے اور دوررس ہوتے ہیں۔اکثر ضرب الامثال کا استعمال کرتا ہے۔سننے والوں کو مطمئن کرنے کے لئے زوردار دلیل لاتا ہے اور ان کو متاثر کرنے میں اپنا پورا زور بیان اور اپنی فصاحت وبلاغت

کی شخصیت کا جلال صرف کر دیتا ہے لیکن اس میں مبالغہ آمیزی کی چاشنی نہیں ہوتی۔ انہی خصوصیات کی وجہ سے اُنہیں جاہلی دور کے مقررین کے صف اول میں شمار کیا جاتا ہے۔

3: عمرو بن معد یکرب الزبیدی:

عمرو بن معد یکرب کی کنیت ابو ثور تھی۔ قبیلہ زبید کا فرد تھا۔ سلسلہ نسب یمنی قبیلہ قحطان سے ملتا ہے۔ بہت اچھا گھڑ سوار تھا۔ اس لئے اسے فارس الیمن یعنی یمن کا شہسوار کہتے ہیں۔ ۹ ہجری میں رسول اللہ ﷺ جب غزوہ تبوک سے واپس آرہے تھے تو عمرو اپنی قوم کے ساتھ آپ ﷺ سے ملا اور اسلام لے آیا اور اسلام کی راہ میں کئی جنگوں میں شریک ہوا۔ اسلام کی مشہور جنگ قادسیہ میں بھی شریک ہوا تھا اور بعض راویوں کے بقول اس وقت اس کی عمر ایک سو دس سال سے بھی زیادہ تھی۔[18]

- **عمرو کے خطبات کے امتیازی خصوصیات:**

کہتے ہیں کہ عمرو بن معد یکرب بھاری بھر کم طاقتور اور خوش خور آدمی تھا۔ سب لوگ اس کی عزت واحترام کرتے تھے۔ تلوار اور زبان دونوں کی تیزی کی نعمت سے نوازے گئے تھے۔ مقررین کے طبقہء اول میں اور شعراء کے طبقہء ثانیہ میں شمار کئے جاتے تھے۔

روایت ہے کہ حیرہ کے بادشاہ نعمان بن منذر نے انہیں عمائدین عرب کی ایک جماعت کے ساتھ نوشیرواں کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ یہ لوگ اپنے زور وبیان کو دکھلا کر عربوں کی زبان دانی، شرافت وفضیلت، اور مروت کے بارے میں اس کے دعویٰ کی تصدیق اور ان پر اس کے فخر کو حق بجانب ثابت کریں۔ چنانچہ عمرو بن معد یکرب نے نوشیرواں کے سامنے حسب ذیل مختصر اور جامع تقریر کی۔

آدمی اپنی دو چھوٹی چیزوں سے پہچانا جاتا ہے۔ ایک اس کا دل اور دوسری اس کی زبان۔ طاقتِ گویائی کی معراج حق گوئی ہے چراگاہ پانے کی کنجی تلاش وجستجو ہے یعنی مقصد بلا دوڑ دھوپ کے حاصل نہیں ہوتا۔ جو بات دل میں سب سے پہلے بغیر کچھ سوچ وبچار

کے آجائے وہ ذہن پر زور دے کر قائم کی ہوئی رائے سے بہتر ہے۔ تجربات کی روشنی حیرت و پریشانی کے اندھیرے سے بہتر ہے۔ تو آپ ہماری اطاعت کو اپنے الفاظ کے ذریعہ کھینچ لیجئے اور جلد بازی نہ کریں۔ ہم سے کوئی غلطی ہو جائے تو اسے اپنی بردباری سے برداشت کیجئے۔ آپ ہمارے لئے اپنے شانے نرم کیجئے نرم جوئی اختیار کیجئے تو آپ کے لئے ہماری رہنمائی کرنا بہت آسان ہو جائے گا۔ کیونکہ ہم ایسے لوگ ہیں کہ اگر کوئی شخص ہمیں تباہ و برباد کر دینے کے ارادے سے لوہے کے ٹکڑے کو یعنی ہتھیاروں کو کھٹکھٹائے تو اس سے ہماری عادات و اخلاق ہر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ کونکہ ہم نے اپنی چراگاہ کی اس شخص سے حفاظت کی ہے جو ہمیں ہڑپ کرنا چاہتا ہے۔[19]

عمرو بن معدیکرب کے خطبہ کا تحلیلی جائزہ:

اگر ہم اس کے درجہ بالا خطبے میں تھوڑا تامل کریں تو یہ حقائق سامنے آجاتی ہیں کہ تقریر کرتے وقت عام طور پر چھوٹے چھوٹے جملے استعمال کرتے تھے۔ بلا تکلف اگر سمجھ آجاتا تو اس سے اپنی تقریر کو پر اثر بناتے۔ زندگی کے تجربوں اور ضرب المثال اور اشارہ کنایہ سے اپنی تقریر کو موثر، دلکش اور دل نشیں بناتے۔ اکثر خالص جاہلی اور مشکل الفاظ استعمال کرتے تھے۔ اشعار میں عام طور سے اپنی بہادری و شجاعت اور زبان پر قدرت کر کے فخر کرتے۔ شاعری میں انداز بیاں بہت خوبصورت، دل نشیں، غریب و ثقیل اور نامانوس الفاظ سے پاک و صاف ہے۔

نتائج بحث:

درجہ بالا جو خطبے بطور مثال پیش کیے گیے ان کا تجزیہ کرنے کے بعد ہم درجہ ذیل نتائج کو پہنچ جاتے ہیں۔

۱: جاہلی دور جتنی اہمیت ایک شاعر کو حاصل ہے اُتنی ہی اہمیت وہ خطیب کو بھی دیتے ہیں۔

۲: زمانہ جاہلی کے خطباء الفاظ میں تناسب، توازن اور ان کے صوتی اثرات میں یکسانی و یک رنگی پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے تھے بلکہ کسی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے جس طرح کے

مناسب الفاظ ان کی سمجھ میں آجاتے ہیں تو زبان سے بے ساختہ بر وقت استعمال کر لیتے تھے۔

۳: ایک ہی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے مترادف اور ہم معنٰی جملے اور ہم مقصد عبارتیں کم استعمال کرتے تھے۔ اپنی عبارت کو دلکش اور مؤثر اسلوبِ بیان، مجمع کو طلسماتی بنانے کے لئے کاہنوں اور بجھکڑوں کے بر خلاف کہہ کر باتکلف جملے نہیں گڑھتے تھے۔

۴: جملے عام طور پر چھوٹے یا درمیانی ہوتے تھے۔ یہ بات خاص طور سے حکمت و فلسفہ سے بھرے خطبوں میں ملحوظ خاطر رہی ہے۔

۵: ایسی اختراع جس سے مفہوم حبط نہ ہو پسند کی جاتی تھی۔ ایسی صراحت کے مقابلے میں جس سے مفہوم میں پیکا پن پیدا ہو ایسے کنایہ کا زیادہ رواج تھا جس سے مفہوم کے سمجھنے میں دشواری بھی نہ ہو اور کنایے کا لطف بھی باقی رہے۔ عام طور سے کسی چیز کے امتیازی خصوصیات کا ذکر کرتے تھے اور کھل کر نام نہ لیتے۔

۶: مشکل نظریات وافکار یا پیچیدہ اور گہرے معنٰی پیدا کرنے کی طرف جس میں ذہن اور عقل پر بہت زیادہ زور دینا پڑے دور جاہلیت میں خطباء کا رجحان کم رہا۔

۷: بدوی اور فطری زندگی کی محدود ضروریات اور گنے چنے سطحی افکار و خیالات اور نظریات کو فطری طریقہ سے بے ساختہ اور سادہ اسلوب میں بیان کیا جاتا تھا۔ اس لئے اس زمانہ میں گہرائی فکر، نظریاتِ بیان اور دقیق معنٰی و مطالب نہیں ملتے ۔ البتہ جہاں تک الفاظ و ترقیق کا سوال ہے تو اپنی جگہ درست اور چست ہوتے تھے۔

۸: عبارتوں میں کبھی باموقع اور کبھی نسبتاً بے موقع، کبھی ضرورتاً اور کبھی بلاضرورت ضرب المثل کا استعمال کرتے تھے۔

مصادر ومراجع:

1 مذکورہ روایت کا سارا دارومدار حسن بن یحییٰ پر ہے جو غیر معروف ہے۔امام البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔[سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ، ج۵، ص۲۰۷] البتہ امام ابن تیمیہ نے اس کے معنیٰ کو صحیح گردانا ہے۔ [مجموع الفتاوی، ج۱۸، ص۳۷۵]

2 سورۃ القلم ۶۸: ۴

3 فی الادب الجاہلی، ڈاکٹر طٰہٰ حسین، ص ۳۴

4 البیان والتبیین، جاحظ، ج۲، ص ۲۰

5 عمرو بن بحر بن محبوب الکنانی، ابو عثمان۔ آنکھوں کی اُبھار کی وجہ سے جاحظ کہلائے۔۱۶۳ھ کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ معتزلہ کے فرقۂ جاحظیہ کے سرخیل تھے۔ انتہائی بدصورت تھے لیکن کتب بینی کے دلدادہ تھے، یہاں تک کہ وفات کے وقت بھی کتاب سینے پر تھی۔ادبِ عربی کے اساطین میں سے تھے۔ ۲۵۵ھ کو بصرہ ہی میں وفات پائی۔ [وفیات الاعیان، ابن خلکان، ج۱، ص۳۸۸؛ الاعلام، الزرکلی، ج۵، ص۷۴]

6 تاریخ الادب العربی، احمد حسن الزیات، ص۱۸

7 نفسِ مرجع، ص۱۹

8 جمہرۃ اللغۃ، ابن درید، دار العلم للملایین، بیروت، ط۳، ۱۹۸۷م، ج۱، ص۳۱۹

9 البیان والتبیین، ج۳، ص۷

10 نفسِ مرجع ،ج۳، ص۱۱۷

11 تاریخ الطبری، ابنِ جریر الطبری، دار التراث، بیروت، ط۲، ۱۳۸۷ھ، ج۶، ص۱۷۹

12 البیان والتبیین، جاحظ، ج۱، ص۶۵

13 امالی القالی، ابو علی القالی، دار الکتب المصریہ، ط۲، ۱۹۲۶م، ج۲، ص۳۷

14 البیان والتبیین، جاحظ، ج۱، ص ۲۵۳؛ العقد الفرید، ابن عبدربہ، ج۴، ص۲۱۵؛ جمہرۃ خطب العرب فی العصور الادبیۃ الزاہرۃ، احمد زکی صفوت، ج۱، ص۳۸

15 البیان والتبیین، جاحظ، ج۱، ص ۲۵۳، ۲۵۴؛ العقد الفرید، ابن عبدربہ، ج۴، ص۲۱۵؛ جمہرۃ خطب العرب فی العصور الادبیۃ الزاہرۃ، احمد زکی صفوت، ج۱، ص۳۸، ۳۹

16 الٔاغانی، ابوالفرج الاصفہانی، ج۱۵، ص۷۰؛ الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ابنِ حجر العسقلانی، ج۱، ص۱۱۳؛ الاعلام، ج۷، ص۲۷۷

17 العقد الفرید، ابن عبدربہ، ج۱، ص۲۸۰

18 اسد الغابہ، ج۳، ص۷۷۰

19 طبقات ابنِ سعد، ج۵، ص۳۸۳؛ الٔاغانی، ج۱۵، ص۲۰۸-۲۴۴؛ الٔاعلام، الزرکلی، ج۵، ص۲۶۰-۲۶۱